ڈاکٹر ذوالفقار دانش

اسسٹنٹ پروفیسر
شعبۂ اردو، گورنمنٹ پریمیئر ڈگری کالج، کراچی

سندھ کے خانقاہی ادب میں سفرنامے کی روایت

ABSTRACT

Tradition of travelogue writing in Monastrial Literature of Sindh.
By Dr. Zulfiqar Danish, Asst. Prof., Department of Urdu, Govt. Premier Degree College, Karachi.

It is a great popular proverb that "Travelling is a means to victory". Travelogue Writing is not merely a such form in which figures about any city, country or public are narrated. But through travelogue writings human life, psychological and spiritual aspects of different societies can also be studied.In the under discussion article, Travelogue Writing's of patriarchs of Sindh and people belong to Monasteries are discussed (Exclude Naqshbandi Monasteries). At one place these travelogue writings are about sacred places and at the same time about those cities and countries where Muslims had exaltation. Travelogue Writing of Monasterial Literature of Sindh with information tells us about human behaviors, social aspects, spiritual conditions and intellectual rising of that particular society. These travelling writings importance become more from this point of view that when a trained person of monastery travels from place to place, his journey is different from the journey of a common man. He studies different aspects of other societies from his monastic point of view. His necessaries for journey are also different from the common traveler. When he writes he also narrates the etiquettes of visiting sacred places. These travelogue writings are of such standard that they should be mentioned in the history of Urdu literature.

سفر نامہ کسی سفر کی تحریری روداد ہے۔جس میں بعض مواقع پر سفرنگار کے خیالات، افکار اور جذبات بھی شامل ہوجاتے ہیں۔اس کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے۔

> ایک سیاح جب اپنے جغرافیائی اور سماجی گردوپیش سے نکل کر کسی دوسرے مقام پر پہنچتا ہے، تو اسے وہ تمام چیزیں جو اس کے اپنے مولد ومنشا کے مانوس ماحول سے مختلف ہوتی ہیں، اختلاف ماحول اور اختلاف معاشرت کے باعث دل چسپ اور

> استعجاب انگیز نظر آتی ہیں اور وہ باتیں جو مشترک ہوتی ہیں۔ وہ اپنے اشتراک کے باعث دل چسپ معلوم ہوتی ہیں، وہ انھیں دوسروں (بالخصوص اپنے ہم وطنوں) کے لیے قلم بند کر لیتا ہے۔ ایسی تحریر کو ہم ادبی اصطلاح میں سفرنامہ کہتے ہیں۔[1]

گویا سفرنامہ وہ صنف ادب ہے جس میں ایک سفر کے حالات میں اپنے جذبات، احساسات، افکار اور نقطۂ نظر کو شامل کر کے دوسروں یا ہم وطنوں کے لیے ضبطِ تحریر میں لایا جاتا ہے۔ اس میں سفر کردہ شہر کے حالات، سماجی زندگی کے بارے میں معلومات اور سفر کے ایسے واقعات، جس میں دل چسپی کا عنصر ہو پیش کیا جاتا ہے۔ ایک اچھے سفرنامے میں کیا خصوصیت ہونی چاہیے؟ رفیع الدین ہاشمی کا خیال ہے کہ ''سفرنامے کی عمدگی اور دل چسپی دو باتوں پر منحصر ہے۔ ایک واقعاتِ سفر کی ندرت وجدت اور دوسرے انداز بیان میں تازگی۔''[2] ابوالاعجاز حفیظ صدیقی اِس بارے میں لکھتے ہیں:

> اچھا سفرنامہ وہ ہے، جس میں مشاہدے کی گہرائی، ثقافتی مطالعے کا سلیقہ، اختلافات کے باوجود بنی نوع انسان کی اساسی وحدت کا شعور اور اجنبی دیار و امصار کی زندگی کا ایسا صحیح تعارف شامل ہو، جو بنی بر صداقت ہونے کے علاوہ قارئین کے لیے دل چسپ، خیال انگیز اور بصیرت افروز ہو۔[3]

یعنی اچھا سفرنامہ اُس وقت قرطاس پر مرتسم ہوتا ہے جب سفر نگار میں مشاہدے کی گہرائی، تاریخ سے واقفیت، تنقیدی وسماجی شعور اور بصیرت ہو۔ اُسے اس بات کی آگاہی بھی ہو کہ جن قارئین کے لیے وہ سفرنامہ تحریر کر رہا ہے۔ ان کی معلومات اور دل چسپی کے کون سے پہلو ہیں۔ جن سے وہ محظوظ ہو سکتے ہیں۔ سندھ میں مختلف سلاسل سے وابستہ افراد نے سفرنامے تحریر کیے ہیں۔ اس مقالے میں ان سفرناموں کے محرکات، اسلوب، خانقاہی پہلو پر بحث کے ساتھ ان کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

سندھ کے خانقاہی ادب میں قیامِ پاکستان کے بعد، جس سفرنامے کو اوّلیت حاصل ہے۔ وہ ''حجِ ذوقی'' ہے۔ یہ سید محمد ذوقی شاہؒ کے سفرِ حج کی روداد ہے۔ جسے اُن کے خلیفہ کپتان واحد بخش سیالؒ نے تالیف کِیا ہے۔ اس سفرنامے کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ یہ سید محمد ذوقیؒ کا دونوں حوالوں سے آخری سفر ہے۔ کیوں کہ اس سفر میں آپؒ کا وصال ہُوا اور مکہ مکرمہ آپؒ کی آخری مسکن ٹھہرا۔ یہ سفرنامہ دو ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں مؤلف واحد بخش سیالؒ نے آپ کے حالاتِ زندگی رقم کیے ہیں اور دوسرا باب سفرِ حج سے متعلق ہے۔ اس سفر کے دوران موقع بہ موقع جو نشستیں ہوئیں۔ ان میں آپ کے بیان کردہ ملفوظات کو بھی اس سفرنامے میں پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ مجلسیں غیر رسمی تھیں۔ کیوں کہ جب امیر سفر میجر عزیز احمد نے آپؒ سے سفر میں لوگوں سے ملاقات کی درخواست کی، تو آپؒ نے یہ فرمادیا تھا کہ ''ہم مشائخ بن کر تھوڑا جا رہے ہیں، ہم تو ایک ادنیٰ گدا کی طرح اُن کی خدمت میں جا رہے ہیں، ہمارے پاس لوگوں کو مت لاؤ۔''[4] اسی طرح ایک اور موقع پر کسی نے پوچھا، کہ

آج جمعرات ہے کیا حلقہ ہوگا؟ اس پر بھی آپ نے فرمایا کہ ہم پارسائی اور مشائخی دکھانے نہیں جارہے بلکہ بھیک لینے جارہے ہیں۔[۵] اس سفر میں آپ پر عشقِ رسول ﷺ اور فنائیت کی کیفیت طاری تھی۔ اسی لیے لوگوں سے ملنا، انھیں اچھا محسوس نہیں ہورہا تھا، یہی وجہ ہے کہ ایک موقع پر تو یہاں تک فرمادیا کہ ''اگر یہاں طوائف کا بازار ہوتا، تو ہم ان کے پاس جا کر بیٹھ جاتے، پھر کوئی نہ آتا۔''[۶]

''حجِ ذوقی'' میں سفرنامے کی کئی خصوصیات ہیں۔ حرمین شریفین کے موسم اور وہاں کے لوگوں کے رویے کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ جیسے کہ ایک موقع پر جب مدینہ قریب آنے لگتا ہے تو ڈرائیور گاڑی کو روک لیتے ہیں اور اُن کے روضۂ محبوب کے شوقِ دیدار کی بھڑکی ہوئی آگ سے فائدہ اُٹھانے کے لیے گاڑیاں روک دیتے ہیں اور اُن مسافروں سے ''بخشش'' طلب کرتے ہیں اور جب تک مطلوبہ بخشش نہیں ملتی، گاڑی نہیں چلاتے۔[۷] اسی طرح مدینے میں عید چار دن منائی جاتی ہے۔ اس تہوار پر شہر کو چار حصوں میں تقسیم کردیا ہے اور مقررہ روز شہر کے ایک حصے میں باقی لوگ جاتے ہیں، جہاں اُس حصّے کے لوگ ان کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔ اس طرح موقع بہ موقع مختلف علاقے، ان کے اردگرد کا محلِ وقوع، ان سے وابستہ تاریخی واقعات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

اس سفرنامے کے محرکات میں خدمتِ خلق کا جذبہ ہی کارفرما ہے، تاکہ بعد میں جو لوگ یہ سعادت حاصل کریں، ایک تو انھیں کوئی دشواری نہ ہو۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ عوام و خواص حج کے فیوض و برکات بھرپور طریقے سے حاصل کرسکیں۔ ان باتوں کے پیشِ نظر حج کی مستند دعائیں، حج کرنے کا طریقہ، حج کے مسائل، اہم علاقوں کی فضیلت کا بیان ہے۔ اس کے ساتھ آخر میں ایک روز مرّہ زندگی میں استعمال ہونے والے الفاظ کی عربی اردو لغت اور روز مرّہ کی ضرورت کے مختصر جملے بھی دیے گئے ہیں۔ تاکہ اردو داں طبقے کو سعودی عرب میں پریشانی کا سامنا نہ کرنے پڑے۔ اس سفرنامے کی وقعت میں مؤلف نے سید محمد ذوقی شاہؒ کے مضمون ''حج'' سے بھی استفادہ کیا ہے۔ کو جو ''مضامینِ ذوقی'' میں صفحہ نمبر ۳۵۴ پر موجود ہے۔ آپ نے اپنے ہم سفروں کو یہ ہدایت کردی تھی کہ اس مضمون کو اچھی طرح پڑھ لینا۔[۸] تاکہ حج اور اس کے دیگر ارکان کے روحانی پہلوؤں سے اچھی طرح آگاہی حاصل ہوجائے۔ اہل اللہ حج کو کس طرح سمجھتے ہیں۔ اس کو آپؒ کی زبانی ملاحظہ کریں:

> اہلِ عرفان کے نزدیک حج بیت اللہ بھی سلوک الی اللہ ہے۔ حج ایک سفر ہے، سلوک بھی ایک سفر ہے۔، حج کا مقصود اللہ ہے۔ سلوک کا مقصود بھی اللہ۔ سفر حج کے لیے عازم کو اپنا ساز و سامان درست کرنا پڑتا ہے۔ ترکِ وطن، ترک تعلقات، ترک مشاغل دنیوی کے بغیر یہ سفر انجام نہیں پاسکتا، اسی طرح سلوک میں بھی ضروریات راہ سلوک کی فراہمی لازمی ہے، سالک کو اپنے وطنِ عارضی یعنی مقتضیات طبیعت سے نکلنا پڑتا ہے۔[۹]

سفرنامے کا اندازِ بیان تنوّع لیے ہوئے ہے۔ جہاں معلومات کا بیان ہے تو وہاں سادے انداز میں افادی پہلوؤں کو تحریر کر دیا گیا ہے۔ جہاں اردگرد کے ماحول کو پیش کیا گیا ہے، وہاں جزئیات نگاری سے کام لیا گیا ہے اور بیانیہ اسلوب اپنایا گیا ہے جو دلچسپ اور روانی لیے ہوئے ہے۔ فارسی، اردو اشعار، عربی جملے اور قرآنی آیات کو مختلف جگہوں پر مع اردو ترجمہ تحریر کیا گیا ہے۔ زبان عام فہم اور روز مرّہ کے مطابق ہے۔ انگریزی الفاظ کو اردو معنی کے ساتھ جا بجا برتا گیا ہے۔ اسلوب کا اندازہ جہاز کی اس منظر نگاری سے کیجیے:

> حضرت اقدسؒ فرسٹ کلاس ڈی لکس میں تھے، اس کے علاوہ پارٹی میں ایک اور فرسٹ کلاس نشست تھی، باقی افراد کے پاس عرشہ یعنی ڈیک کے ٹکٹ تھے۔ محمدی جہاز ایک بہت بڑا جہاز تھا، جس میں چھے، سات فرسٹ کلاس لگژری کمرے، ان میں غسل خانے وغیرہ کا بھی انتظام تھا، اس کے علاوہ تیس چالیس معمولی فرسٹ کلاس کیبن تھے اور باقی چودہ سو کے قریب تیسرے درجے کی نشستیں تھیں، تیسرے درجے میں بھی فرش کی بجائے ہر مسافر کے لیے کھٹولے آویزاں تھے، جو بہت آرام دہ تھے۔ فرسٹ کلاس کے ساتھ ایک نہایت نفیس ڈرائنگ روم تھا، جس میں سوڈا واٹر وغیرہ کا انتظام تھا اور ایک چھوٹی سی لائبریری بھی تھی اور خوش نما پردے بھی آویزاں تھے، روشن دان کھول دینے کے بعد خوب ہوا لگتی تھی اور سمندر کا منظر بہت بھلا معلوم ہوتا تھا۔[(۱۰)]

کتاب کی اشاعت دوم محفل ذوقیہ کراچی کے تحت ۱۹۹۳ء میں ہوئی۔ عرضِ مؤلف ۱۳۷۴ھ کا لکھا ہوا ہے۔ جس کا سن ۱۹۵۴ء اور ۱۹۵۵ء ہو سکتا ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی ایک عالمِ دین کی حیثیت میں عالمِ اسلام میں جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اُن کے اسلامی معاشی نظریات کو بینکنگ کی دنیا میں کافی پذیرائی ملی۔ ''جہانِ دیدہ'' آپ کے بارہ سفرناموں کا مجموعہ ہے۔ اس میں اگر جنوبی افریقہ کے دو سفرناموں کو علاحدہ شمار کیا جائے تو یہ ۱۳ سفرنامے ہو جاتے ہیں۔ جب کہ سفر نگار نے ایسا نہیں کیا، ان دونوں کو ایک ہی شمار کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مفتی محمد تقی عثمانی نے اپنے ان سفرناموں کی ترتیب ملکوں کے اعتبار سے رکھی ہے۔ اس ترتیب میں بھی ایک اسلامی ذہن اور فکر پنہاں ہے۔ پہلے اسلامی ملکوں کے سفرنامے دیے ہیں اور پھر غیر مسلم ممالک کے۔ خود اس کتاب کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

> اس میں میرے اب تک کے لکھے ہوئے اہم سفرنامے یک جا ہو گئے ہیں۔ ان سفرناموں کو تاریخی ترتیب سے مرتب نہیں کیا گیا بلکہ پہلے عالمِ اسلام کے سفرنامے دیے

گئے ہیں اور ان کے بعد غیر مسلم ممالک کے۔[11]

اس سفرنامے میں جولائی ۱۹۷۸ء سے اکتوبر ۱۹۸۸ء تک کے سفرنامے شامل ہیں۔ہم ان سفروں کا موضوعاتی تجزیہ زمانی اعتبار سے کریں گے۔مصنف نے کتاب میں سفرناموں کی ترتیب درج ذیل انداز میں دیے۔

(۱)وادیٔ دجل وفرات	ربیع الاوّل ۱۴۰۵ھ/نومبر ۱۹۸۴ء
(۲)مصراور الجزائر میں چند روز	ذیقعد ۱۴۰۵ھ/جولائی ۱۹۸۵ء
(۳)اُحد سے قادسیون تک	ربیع الاوّل ۱۴۰۶ھ/جنوری ۱۹۸۶ء
(۴)سلطان محمد فاتح کے شہر میں (استنبول،ترکی)	رجب ۱۴۰۶ھ/مارچ ۱۹۸۶ء
(۵)جزیروں کا ملک (سنگاپور، انڈونیشیا)	شعبان ۱۴۰۲ھ/جون ۱۹۸۲ء
(۶)بنگلہ دیش میں چند روز	اگست ۱۹۸۰ء
(۷)قطر سیرت کانفرنس	محرم ۱۴۰۰ھ/نومبر ۱۹۷۹ء
(۸)دورۂ چین	نومبر ۱۹۸۵ء
(۹)امریکا اور یورپ کا پہلا سفر	شعبان ۱۳۹۸ھ/جولائی ۱۹۷۸ء
(۱۰)ہندوستان کا سفر	مارچ ۱۹۸۰ء
(۱۱)جنوبی افریقہ کے دوسفر (پہلا سفر)	ذی الحج ۱۴۰۰ھ/نومبر ۱۹۸۰ء
(۱۱)جنوبی افریقا کے دوسفر (دوسرا سفر)	ذی الحج ۱۴۰۱ھ/ستمبر ۱۹۸۲ء
(۱۲)دیارِ مغرب میں تین ہفتے (کینڈا،امریکا،فرانس)	صفر ۱۴۰۹ھ/اکتوبر ۱۹۸۸ء

اشاریہ صفحہ نمبر ۶۰۹ تا ۶۶۸ پر ہے۔اشاریے کی ترتیب محمد اشرف عثمانی اور محمد یحیٰ عاصم نے کی ہے۔جب کہ تاریخی اعتبار سے اس کی ترتیب حسبِ ذیل بنتی ہے۔ہم نے ان کا تجزیہ اسی ترتیب سے کیا ہے۔

(۱)امریکا اور یورپ کا پہلا سفر	شعبان ۱۳۹۸ھ/جولائی ۱۹۷۸ء
(۲)قطر سیرت کانفرنس	محرم ۱۴۰۰ھ/نومبر ۱۹۷۹ء
(۳)ہندوستان کا سفر	مارچ ۱۹۸۰ء
(۴)بنگلہ دیش میں چند روز	اگست ۱۹۸۰ء
(۵)جنوبی افریقہ کے دوسفر (پہلا سفر)	ذی الحج ۱۴۰۰ھ/نومبر ۱۹۸۰ء
(۶)جزیروں کا ملک (سنگاپور، انڈونیشیا)	شعبان ۱۴۰۲ھ/جون ۱۹۸۲ء
(۷)وادیٔ دجلہ وفرات	ربیع الاوّل ۱۴۰۵ھ/نومبر ۱۹۸۴ء

(۸)مصر اور الجزائر میں چند روز	ذیقعد ۱۴۰۵ھ/جولائی ۱۹۸۵ء
(۹)دورۂ چین	نومبر ۱۹۸۵ء
(۱۰) اُحد سے قادسیون تک	ربیع الاوّل ۱۴۰۶ھ/جنوری ۱۹۸۶ء
(۱۱) سلطان محمد فاتح کے شہر میں (استنبول، ترکی)	رجب ۱۴۰۶ھ/مارچ ۱۹۸۶ء
(۱۲) دیارِ مغرب میں تین ہفتے (کینیڈا، امریکا، فرانس)	صفر ۱۴۰۹ھ/اکتوبر ۱۹۸۸ء

مصنف نے اپنا پہلا سفرنامہ ۱۹۶۳ء میں لکھا تھا، جو سفرِ عمرہ سے متعلق تھا مگر اس کی تکمیل اور اشاعت قدرت کو منظور نہ تھی۔اس کا مسوّدہ اسی سفر سے واپسی پر گم ہوگیا۔[۱۲] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مفتی محمد تقی عثمانی میں سفرنگاری کی خوبی، ذوق اور صلاحیت عطیۂ قدرت ہے۔اسی لیے آپ نے دورانِ سفر ہی اسے مکمل یا اس کے اشارے واضح طور پر قیدِ قرطاس کر لیے تھے، کیوں کہ ایک لکھاری کے لیے اپنی تحریر کو جو ضائع ہوجائے اسے دوبارلکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔اس بات سے اہلِ قلم بخوبی واقف ہیں۔مفتی محمد شفیع عثمانی کی سفرنگاری کا ذوق بعد کے سفروں میں خوب کھل کر سامنے آیا۔یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔زیرِ بحث سفرنامے کے بعد بھی آپ کا سفرنامے ''دنیا مرے آگے'' منصۂ شہود پر آچکا ہے۔جس کا تجزیہ آگے پیش کیا جائے گا۔

''امریکا اور یورپ کا پہلا سفر'' کا محرک امریکا میں قائم ایک تنظیم فیڈریشن آف اسلامک ایسوسی ایشنز (ایف آئی اے) ہے جس کا مرکز نیویارک میں ہے۔یہ امریکی ریاستوں کے مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا اتحاد ہے۔اس تنظیم نے ایک کنونشن امریکی ریاست ویسٹ ورجینیا کے مرکزی شہر چارلسٹن میں جولائی ۱۹۷۸ء میں منعقد کیا تھا۔اِس کی دعوت پر حکومتِ پاکستان نے سفرنگار، ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن اور خالد اسحاق ایڈوکیٹ کو کنونشن میں شرکت کے لیے منتخب کیا تھا۔

اس سفر میں سفرنگار نے امریکا کے حوالے سے قیمتی معلومات فراہم کی ہیں۔دیگر سفرناموں کی طرح اس میں بھی ایک اسلامی فکر سفر کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔پاکستان سے امریکا تک کی مختصر روداد سے پتا چلتا ہے کہ ۲۶ گھنٹے کے سفر میں ۳ گھنٹے رات اور ۲۳ گھنٹے دن میں سفر کیا۔قدرت کے کارخانے میں کیا کیا عجیب کرشمے ہیں۔سفرنگار نے امریکا کے مسلمانوں کی تقسیم چار حوالے سے کی ہے۔پہلی قسم ان مسلمانوں کی ہے جو مسلم ممالک سے تعلق رکھتے ہیں اور بسلسلہ ملازمت، کاروبار یا تعلیم کی غرض سے امریکا آئے ہیں۔دوسری قسم میں وہ مسلمان شامل ہیں، جن کے آباؤاجداد کسی وجہ سے امریکا آگئے تھے۔ان کی اولادیہیں پروان چڑھی اور اب سو فیصدی امریکی نظر آتے ہیں مگر خود کو مسلمان کہتے ہیں۔تیسرے سیاہ فام نومسلم ہیں جو تواِلجاہ کے پیروکار ہیں، در حقیقت مسلمان نہیں۔کچھ مقامی مسلمان تنظیموں کے زیرِ اثر مسلمان ہوگئے، انھیں ''بلالی مسلمان'' کہا جاتا ہے۔چوتھی قسم میں امریکی نسل کے سفید فام مسلمان ہیں جو مسلمانوں کی تبلیغ سے مسلمان ہوگئے۔اس سفر نامے میں امریکا میں تبلیغی اور اصلاحی حوالے سے کئی اہم نکات بھی بیان کیے گئے ہیں۔[۱۳]

مفتی محمد تقی عثمانی نے امریکی حالات کا بغور مشاہدہ کر کے حقیقت پسندی کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہاں کی جو خوبیاں ہیں، ان کا اعتراف کیا ہے اور اُس معاشرے کی خامیوں پر بھی کُھل کر اظہار کیا ہے۔ سفر نگار کے نزدیک امریکا کی مٹی تبلیغِ اسلام کے لیے بڑی زرخیز ہے۔ کیوں کہ وہاں کے لوگ بہت سارے نظام آزما کر بھی قلبی سکون حاصل نہیں کر سکے ہیں۔ اس سلسلے میں قیمتی تجاویز بھی سفرنامے میں دی گئی ہیں۔ اس طرح جن لوگوں نے انھیں کنونشن میں مدعو کیا تھا، اُن کے بارے میں بھی بے باکانہ رائے دی گئی ہے۔

''قطر سیرت کانفرنس'' جو قطر میں نومبر ۱۹۷۹ء میں منعقد ہوئی تھی۔ جس میں مفتی محمد تقی عثمانی نے شرکت فرمائی تھی۔ یہ تیسری سیرت کانفرنس تھی۔ اس سے قبل پہلی سیرت کانفرنس پاکستان اور دوسری ترکی میں منعقد ہوئی تھی۔ قطر جزیرے کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کی گئی ہیں کہ یہ چھوٹا سا جزیرہ خلیج فارس میں ہے۔ جسے عہدِ رسالت میں حضرت علا بن الحضریؓ نے اسلام کی روشنی سے منوّر کیا تھا۔ اس کانفرنس میں اکاون مسلم ممالک کے چوٹی کے علما شریک ہوئے تھے۔ جن کے نام بھی سفر نگار نے تحریر کیے ہیں۔ جنھوں نے بڑی محنت سے مقالے تیّار کیے تھے۔ کانفرنس کا حسنِ انتظام بھی بہت عمدہ تھا لیکن مفتی محمد تقی عثمانی کی اس بات سے اہل دل اور اہلِ درد متفق ہیں کہ ان کانفرنسوں میں خوب صورت لفظوں میں ملفوف قراردادیں تو منظور ہوجاتی ہیں مگر عملی نتائج نہ ہونے کے برابر نکلتے ہیں۔ سفر نگار نے بھی اپنا مقالہ پیش کیا۔ جس کے چار نکات یہ تھے؛ ایک سیرت پاک ﷺ کی پیروی کی جائے، دوسرا سیرت پاک کا روزانہ کچھ وقت ہی سہی آدھا گھنٹہ مطالعہ کیا جائے، تیسرا سیرت پاک ﷺ کو اسکولوں، کالجوں اور یونی ورسٹیوں کے نصاب میں شامل کیا جائے اور چوتھا یہ کہ سیرت کو آسان اور عام فہم انداز میں عوام کے سامنے پیش کیا جائے۔ (۱۴)

''ہندوستان کا سفر'' مارچ ۱۹۸۰ء کا واقعہ ہے۔ اس کا محرک دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ جشن تھا۔ جس میں شرکت کے لیے مفتی محمد تقی عثمانی تشریف لے گئے تھے۔ مقام دیوبند کی دینی، تبلیغی اور علمی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ اس علاقے کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یہ سفر نگار کی جنم بھومی ہے۔ اس لیے سفرنامے میں اُن کی جذباتی کیفیات کا واضح اندازہ ہوتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ بھی تھی کہ مصنف کے والد کا دارالعلوم دیوبند سے گہرا تعلق رہا تھا۔ اکابرین دیوبند سے سفر نگار کی عقیدت و محبت کا نمایاں اظہار بھی سفرنامے میں دکھائی دیتا ہے۔ اس سفرنامے میں بھی سفر نگار نے حقیقت پسندی کا اظہار کیا ہے۔ چاہے وہ معاملاتِ جلسۂ دیوبند ہوں یا ہندوستان کے سماجی پہلو ہوں۔ جلسہ دیوبند میں وزیر اعظم اندرا گاندھی کی شرکت کو سفر نگار نے افسوس ناک قرار دیا۔ اُس دن کے جلسے میں جو افراتفری پیدا ہوئی، مصنف نے اُسے اُن کی آمد ہی کا شاخسانہ قرار دیا۔ ہندوستان میں سادگی اور وطن کی اشیا کے استعمال جیسے قابلِ تعریف پہلوؤں کا بھی اظہار کیا گیا ہے تو وہاں کی عوام کی غربت اور افلاس کی زندگی کو بھی بیان کیا ہے۔ ہندوستان ہی کے ایک فرد کی زبان سے اس کی وجہ بھی بیان کی ہے، کہ ان کا بہت سے پیسا شراب نوشی کی نذر ہوجاتا ہے۔

''سفر نامہ بنگلہ دیش میں چند روز'' اگست ۱۹۸۰ء کا سفر نامہ ہے۔اس کا محرّک بھی ایک مدرسے ''قاسم العلوم'' سلہٹ کی طرف سے دعوت تھی۔یقیناً ایک ایسے ملک کا دورہ جو کبھی اپنے ملک کا حصّہ ہو،تکلیف دہ امر ہوتا ہے۔اس پہلو کا اظہار مفتی محمد تقی عثمانی نے کیا ہے۔اس سفر سے چودہ سال قبل بھی سفرنگار نے اس علاقے کا دورہ کیا تھا مگر اُس وقت یہ علاقہ پاکستان تھا۔اب ویزے اور پاسپورٹ کی بھی ضرورت پیش آئی۔بنگلہ دیش کے بارے میں لوگوں نے مصنف کو لرزہ خیز داستانیں سنائیں تو مصنف کو لکھنا پڑا:

> یہ وہ اس تصوّر سے کہیں زائد تھیں، جو اب تک ہم نے اس کے بارے میں قائم کیا ہُوا تھا... بنگال کے چپّے چپّے پر ظلم وجور کے اتنے ان گنت نقوش ثبت ہیں کہ ان کا احاطہ کسی کے بس کی بات نہیں اور بس وہاں کے چشم دید واقعات وحالات سننے کے بعد یہ یقین اور مستحکم ہوگیا کہ وہاں جو قیامت ٹوٹی ہے، وہ ہماری بداعمالیوں کی سزا تھی۔(۱۵)

مفتی محمد تقی عثمانی نے وہاں کی مہنگائی اور کرنسی کی قدر کی کمی کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ پاکستان کے مقابلے میں نصف ہے اور آج ۳۱ سال بعد پاکستان کی کرنسی بنگلا دیش کے مقابلے میں کافی کم ہوگئی ہے۔یقیناً گرانی بھی وہاں سے زیادہ ہوگی۔وہاں کی مثبت تبدیلیوں کا تذکرہ بھی کیا ہے اور امید ظاہر کی تھی کہ یہ ملک رفتہ رفتہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوجائے گا۔آج یہ ملک اپنے پاؤں پر کھڑا ہے جب کہ ہمارا ملک پاکستان دوسروں کے سہارے پر زندگی گزار رہا ہے۔اس کی کرنسی کی قدر بھی پاکستان سے زیادہ ہے۔سفرنگار نے آٹھ روزہ سفر میں سے پانچ دن سلہٹ اور تین دن ڈھاکے میں گزارے۔وہاں کے مدارس دینی اداروں اور بزرگوں کا تذکرہ اس مختصر سفرنامے میں ملتا ہے۔

جنوبی افریقہ کے اس سفر نامہ کے محرک جنوبی افریقہ کے وہ مسلمان بنے جو چاہتے تھے کہ مفتی محمد تقی عثمانی اور ان کے برادرِ بزرگ مفتی محمد رفیع عثمانی ان کے ملک تشریف لائیں۔یوں ان کی فرمائش پر ۲رنومبر ۱۹۸۰ء کو اس سفر کا آغاز ہوا۔حسبِ سابق سفرنگار نے اس ملک کی خصوصیات سے قاری کو آگاہ کیا۔یقیناً یہ سفرنامے کی ایک اہم ضرورت ہوتی ہے۔لکھتے ہیں:

> جنوبی افریقہ اس وقت دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں ممتاز حیثیت کا حامل ہے، قدرت نے اس علاقے کو معدنی اور زرعی وسائل سے مالامال فرمایا ہے، یہاں سونے، پلاٹینم، چاندی اور یورونیم کی کانیں ہیں، اور کہتے ہیں کہ دنیا کا تقریباً تین چوتھائی سونا اس ملک سے پید ہوتا ہے۔آب وہوا، قدرتی مناظر اور زرعی پیداوار کے لحاظ سے بھی یہ خطہ دنیا کے ممتاز علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔(۱۶)

یہی نہیں اس علاقے کی اور بھی کئی اہم معلومات سفرنامے کی زینت بنی ہیں۔جنوبی افریقہ کا تمام ماحول کفر کی تاریکیوں میں ڈوبا ہُوا ہے لیکن وہ انڈین مسلمان جو تجارت اور کاروبار کی غرض سے وہاں آباد ہوگئے تھے، ان میں دین کی

حمیّت باقی ہے۔ اور وہ اپنے دینی تشخص اور دینی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے عام اسلامی ملکوں کے مسلمانوں سے آگے ہیں۔ یہاں سفرنگار نے اپنی تبلیغی مصروفیات کا تذکرہ بھی وضاحت سے کیا ہے۔

''جزیروں کا ملک'' سنگاپور اور انڈونیشیا کے سفری حالات پر مشتمل ہے۔ یہ سفر مفتی محمد تقی عثمانی نے جون ۱۹۸۲ء میں کیا تھا۔ دس صفحوں پر مشتمل اس سفرنامے کا محرک انڈونیشیا حکومت کی وہ دعوت بنی، جس میں پاکستان کے مذہبی امور کے وزیر اور علما کرام کو مدعو کیا گیا تھا، تاکہ وہ انڈونیشیا کے دینی اداروں اور دینی ماحول کا مشاہدہ کرے۔ اس سفر میں ملائشیا میں کوالالمپور کے ائیر پورٹ پر ایک گھنٹے قیام کرنا پڑا، سفرنگار کو ائیر پورٹ پر کوئی ایسی شے کی تلاش تھی، جس سے اسلامیت کی جھلک نمایاں ہو۔ اس کے وہ جذبات جو ایک مسلم ممالک میں اترنے سے پیدا ہوئے تھے، سرد ہو گئے اور اُن میں یہ خواہش جنم لینے لگی کہ مسلم ممالک میں اسلامی حمیت ہو۔ انھیں اپنے مسلم اور اس کی اقدار پر فخر ہو۔ کسی اسلامی ملک میں داخل ہوتے ہی یہ پتا چلے کہ کسی اسلامی ملک میں داخل ہوئے ہیں۔ وہاں کے ائیر پورٹ اسلامی ثقافت کو ظاہر کر رہے ہوں۔ مفتی تقی عثمانی کی شخصیت کیوں کہ مذہبی رنگ میں رنگے ہوئی ہے، اس لیے اُن کے ہاں اس پہلو کا غلبہ رہتا ہے۔ انھیں جب مغرب کی نماز کے لیے ائیر پورٹ پر مناسب جگہ بھی آسانی سے دستیاب نہیں ہوئی تو اس کا افسوس ہوا۔ اگلی منزل سنگاپور تھی۔ جس پر غیر مسلموں کی حکومت تھی۔ یہاں چینی نژاد باشندے اکثریت میں ہیں۔ سفرنامے میں سنگاپور کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کی گئی ہیں کہ یہاں صنعت وزراعت نہیں ہے مگر فری پورٹ کے سبب یہ تجارت کا عظیم الشان مرکز ہے۔ اپنے تمدنی حسن اور اعلا انتظامات کے سبب یورپ کا ترقی یافتہ شہر معلوم ہوتا ہے۔ جس کی سڑکیں شفاف، سر بہ فلک عمارتیں اور پلوں نے اس شہر کے حسن میں اضافہ کر دیا ہے۔

یہاں سے انڈونیشیا کا سفر درپیش تھا۔ وفد کے ارکان کا جکارتے کے ہوائی اڈے پر بڑی محبت اور گرم جوشی سے استقبال کیا گیا۔ جکارتہ کو دیکھ کر مصنف کو ڈھاکا یاد آ گیا، کیوں کہ یہ سرزمین سرسبزی وشادابی، لوگوں کی بودوباش میں بنگال سے کافی ملتی جلتی تھی۔ مفتی تقی عثمانی نے یہاں کے سیاسی حالات پر بھی اپنا تبصرہ کیا ہے کہ موجودہ حکومت نے کمیونسٹوں کے مقابلے میں اسلامی جماعتوں کا تعاون حاصل کیا۔ بعد ازاں سیکولر حکومت قائم کی۔ اس وقت سے حکومت اور اسلامی جماعتوں کے درمیان کشیدگی ہے۔ انڈونیشیا کے سفر میں ایک اور اہم پہلو کا مشاہدہ یہ بیان کیا کہ وہاں قادیانی جماعت خاصی سرگرم ہے۔ جب کہ مسلمانوں کی تبلیغ کا سلسلہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

سفرنگار کی اس سفر کے بعد جو رائے بنی، وہ یہ ہے کہ بہت سے اسلامی ممالک مغرب کے سیلاب میں بہ چکے ہیں۔ جن کی واپسی کے لیے پیغمبران دعوت اور حوصلہ درکار ہے۔ جب کہ برصغیر کے حالات ابھی قابو میں ہیں۔ مفتی محمد تقی عثمانی کی اس بات کو اب تقریباً تیس (۳۰) سال ہونے کو ہیں، جس تیزی کے ساتھ برصغیر بالخصوص ہندوستان پاکستان میں جس تیزی سے مغربی ثقافت داخل ہوئی ہے، اُس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ اب علمائے کرام اور صوفیائے کرام کی ہمتیں بھی جواب

دے گئیں ہیں۔ بالخصوص میڈیا کو جو آزادی حاصل ہوئی ہے، اس نے فحاشی کو جس طرح فروغ دیا ہے، اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

''وادئ دجلہ وفرات'' یہ سفرنامہ نومبر ۱۹۸۴ء کا ہے۔ اس کی ابتدا میں قادیانیوں کی طرف سے سپریم کورٹ (جنوبی افریقہ) میں دائر ایک درخواست کی روداد ہے۔ جس میں انھوں نے مسلمانوں کو ان کو کافر قرار دینے، قبرستان میں دفن کرنے اور مساجد میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دینے کے خلاف درخواست دائر کی تھی۔ یہ مقدمہ کیپ ٹاؤن میں چلا، جس میں مسلمانوں کو بڑی حد تک سرخروئی حاصل ہوئی مگر مکمل فیصلے کی تفصیل نئے ایڈیشن میں بھی نہیں ہے۔ جو اس سفر کے ۲۷ سال بعد ۲۰۱۱ء میں شائع ہُوا۔ وہاں کے مسلمانوں کے جذبے کا اعتراف سفرنگار نے بڑے جذباتی انداز میں کیا ہے۔ ملک کے تینوں صوبوں کے مسلمان نمائندے کیپ ٹاؤن پہنچے اور ان کے تعاون کا جذبہ قابلِ رشک تھا۔ انھوں نے جس محبت اور گرم جوشی کا مظاہرہ پاکستانی وفد سے کیا تھا، وہ ایک یادگار کا درجہ رکھتا ہے۔

کیپ ٹاؤن کی منظرکشی بڑے خوب صورت انداز میں کی گئی ہے۔ اس علاقے کے بارے میں دیگر اہم معلومات بھی سفرنامے میں موجود ہیں۔ لکھتے ہیں کہ کیپ ٹاؤن دنیا کے حسین ترین مقامات میں سے ایک ہے، یہاں سمندروں، پہاڑوں، جھیلوں اور سرسبز میدانوں، ہر طرح کا فطری حسن موجود ہے۔ کیپ ٹاؤن کے بعد سعودی عرب کا سفر ہے۔ جس میں حرمین شریفین کی زیارت کا محبت اور عقیدت سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ''تنظیمِ اسلامی کانفرنس'' کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ جس کے اجلاس میں سفرنگار شریک تھے۔ اس کانفرنس کا موضوع فقہی حوالے سے تھا۔ پھر عراق کا تذکرہ ہے، اس میں تاریخ کے جھروکوں سے خوش گوار اور طمانیت سے پر، قلوب کو متؤ ثر کرنے والے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ عراق کے بارے میں سفرنگار رقم طراز ہیں:

> عراق کے ساتھ ہم مسلمانوں کو جو قلبی تعلق اور لگاؤ ہمیشہ رہا ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں، مدینہ طیبہ کے بعد عالمِ اسلام کا پہلا دارالحکومت عراق ہی میں قائم ہُوا۔ دینی علوم کی جو مرکزیت حرمین شریفین کے بعد اس خطّے کو حاصل ہوئی، وہ عالمِ اسلام کے کسی اور خطّے کو نصیب نہیں ہوسکی، پھر بغداد صدیوں تک پورے عالمِ اسلام کا سیاسی، علمی اور ثقافتی مرکز بنا رہا اور اس نے ہر شعبۂ زندگی میں جو بے مثال شخصیتیں پیدا کیں، وہ ہماری تاریخ کا سنہرا باب ہیں۔ (۱۷)

اسلامی ممالک کے اسفار میں مصنف نے ماضی کے جو حسین منظرنامے پیش کیے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مفتی محمد تقی عثمانی کے دل و دماغ میں مسلمانوں کی نشاطِ ثانیہ کی یادیں پنہاں ہیں۔ جس طرح عہدِ سرسید میں شبلی نعمانیؒ اور الطاف حسین حالی و دیگر لوگوں نے ماضئ رفتہ کو آواز دے کر ہندوستان کے مسلمانوں کو بیدار کرنے کی سعی کی تھی، وہی جذبہ اور لگن مفتی محمد تقی

عثمانی کے قلب میں موج زن نظر آتا ہے۔اس سفرنامے میں صوفیائے کرام کے تذکرے بھی کیے گئے ہیں۔یوں اِن سفرناموں میں اصلاحی اور تبلیغی نوعیت کے ساتھ خانقاہی رنگ بھی شامل ہوگیا۔

''مصر اور الجزائر میں چند روز'' یہ سفر ذیقعد ۱۴۰۵ھ/جولائی ۱۹۸۵ء کا ہے۔جس کا محرک یہ بنا کہ الجزائر کی حکومت ۱۹۶۶ء سے ہر سال عالمِ اسلام کا ایک بین الاقوامی اجتماع ''ملتقی الفکرالاسلامی'' کے نام سے منعقد کرتی ہے۔سفر نگار اس سے قبل بھی دو سال دعوت کے باوجود بوجوہ نہیں جاسکے تھے۔ نہ جانے کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ان بین الاقوامی کانفرنسوں کے عملی نتائج نہیں نکلے اور یہ نشستن، گفتن، خوردن اور برخاستن سے آگے نہیں بڑھیں۔جس سے مصنف کا دل اِن کانفرنسوں سے اُکتا گیا ہو۔کیوں کہ اس سرزمین سے اسلام کے درخشاں دور کی یادیں وابستہ تھیں، اس لیے الجزائر دیکھنے اور وہاں کے مسلمانوں سے ملنے کے شوق نے اس سفر پر خود کو آمادہ کرلیا۔اس سفر کے دوران مصر میں بھی قیام کرنا پڑا۔ جہاں کی تاریخی عمارتوں کے نظارے سفرنامے کی زینت بنے ہیں۔ان میں اہرامِ مصر، ابوالہول جامع عمر بن العاص ؓ وغیرہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔سفر نگار نے ایک ہفتے الجزائر میں قیام کے دوران اپنے مجموعی تاثرات بھی بیان کیے ہیں۔جن سے پتا چلتا ہے کہ سادہ طرزِ معیشت اور ملکی صنعتوں پر انحصار کیا گیا ہے۔پنکھے کا رواج بہت کم ہے۔ وجہ یہ کہ وہاں پنکھوں کا کارخانہ نہیں تھا۔درآمد کی حوصلہ شکنی کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔کاش ہمارے ملکِ پاکستان کے خواص اور عوام کو بھی یہ شعور آجائے۔دیہات میں ترقیاتی کام کافی ہوا ہے۔بیش تر ممالک کی طرح یہاں کے بھی غریبوں میں دین سے زیادہ محبت ہے۔

''دورۂ چین'' کا سفر مفتی تقی عثمانی نے نومبر ۱۹۸۵ء میں کیا۔اس سفر کی وجہ یہ بنی کہ چین میں مذہبی پالیسی میں نرمی کے سبب مسلمانوں کا رابطہ عالمِ اسلام کے مختلف مراکز سے قائم ہُوا۔حکومتِ پاکستان کے ایک مختصر وفد سفر نگار کی قیادت میں چین بھیجا گیا۔ چین کی جغرافیائی حدود اور اس کے مناظر کو حسین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔چین کے بارے میں کافی اہم معلومات بھی دی گئی ہیں۔مثلاً چین رقبے کے لحاظ سے سویت یونین اور کینیڈا کے بعد دنیا کا تیسرا بڑا ملک ہے۔جس کی آبادی ایک ارب سے زائد ہے وغیرہ۔اس سفر میں میزبانی کے فرائض ''چائنا اسلامک ایسوسی ایشن'' نے انجام دیے۔ یہ تنظیم ۱۹۵۳ء میں قائم ہوئی تھی۔اِس کے اغراض ومقاصد کے مطالعہ سے تنظیم کی حکمت اور مصلحت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔اِن میں، بہترین اسلامی روایات، حبّ الوطنی کو فروغ، عالمی امن کے قیام کی جدوجہد وغیرہ شامل ہیں۔اندازہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک کروڑ چھیالیس لاکھ تھی۔اس سفرنامے میں چین کی اہم مساجد اور مقامات کے بارے میں کافی معلومات دی گئی ہیں، بالخصوص شہرِ ممنوعہ کی معلومات حیرت انگیز ہیں۔جس میں کمروں کی تعداد ۹۹۹۹ ہے اور اس میں سولہ محلات ہیں۔دیوارِ چین کے ذکر کے بغیر چین کا کوئی سفرنامہ مکمل نہیں ہوتا۔مفتی محمد تقی عثمانی نے بھی اس کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے۔

''اُحد سے قادسیون تک'' یہ سفرنامہ سعودی عرب، اردن اور شام کے ممالک کے اسفار پر مشتمل ہے، جو ربیع الاوّل ۱۴۰۶ھ/جنوری ۱۹۸۶ء میں کیے گئے۔اس سفرنامے کا محرک جو بات بنی، وہ یہ ہے کہ مفتی محمد تقی عثمانی کے والدِ محترم جناب

مفتی محمد شفیع نے ۱۹۵۶ء میں شام کا سفر کیا تھا۔اُس وقت ہی سے سفرنگار کے دل میں شام دیکھنے کی خواہش نے جنم لیا تھا۔دوسری اہم وجہ شام کی مذہبی اہمیت ہے۔جس جگہ کی مذہبی یا اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی بات ہو، وہ مصنف کے لیے پُرکشش بن جاتی ہے۔اس لیے سفرنامے کے آغاز ہی میں اس کا اندازہ ہوجاتا ہے۔''شام انبیا علیہ السلام کی سرزمین رہی ہے،قرآن نے جگہ جگہ اُس کے تقدّس اور اس کی برکات کی تعریف کی ہیں،اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے اُس کے ساتھ اسلامی تاریخ کے ناقابل فراموش واقعات وابستہ ہیں۔''(۱۸) سفر کے دوران خیبر کی بستی آئی تو مفتی محمد تقی عثمانی کا ذہن تاریخ اور ماضی کی یادوں میں گُم ہوگیا۔اس سے وابستہ اسلامی تاریخ کے اوراق یک بیک کھلنے لگے۔یوں قاری خیبر اور اس کے ماضی اور حال کے باسیوں سے واقفیت حاصل کرنے لگتا ہے۔پھر خیبر کے شہداؓ کے مزارات پر حاضری دی۔خیبر کے شہداؓ میں ایک صحابی اسود راعیؓ بھی تھے جو جنگ کے دنوں ہی میں اسلام لائے تھے۔صحابہؓ ان کا تذکرہ اس انداز سے کرتے تھے کہ یہ وہ صحابیؓ ہیں،جنھوں نے اللہ کے لیے کوئی نماز نہیں پڑھی اور سیدھے جنت میں گئے۔(۱۹)

بعدازاں یہ قافلہ شام کے لیے روانہ ہُوا۔پھر تبوک،عمان،رومی اسٹڈیم،حضرت یوشع علیہ السلام کے مزار،وادئ شعیب،اغوار،حضرت ضرار بن ازورؓ،حضرت شُرَحبیل بن حسنہؓ کے مزار کا مختصر تذکرہ ہے۔پھر بحرِ میّت کا ذکر ہے جو ۵۰ میل لمبا اور ۱۱ میل چوڑا ہے۔یہ عجیب وغریب سمندر ہے۔اس کا پانی عام سمندروں سے زیادہ بھاری اور بہت زیادہ نمکیات لیے ہوئے ہے۔اس میں مچھلی سمیت کوئی جانور زندہ نہیں رہتا اور نہ کوئی پودا اگتا ہے۔عبدالوہاب النجار کی رائے ہے کہ یہ حضرت شعیبؑ اور حضرت لوطؑ کی بستیوں کے الٹنے سے وجود میں آیا۔اس کا رابطہ کسی اور سمندر سے نہیں ہے۔(۲۰) اس کے بعد کئی اہم علاقوں اور واقعات کا تذکرہ اجمالاً کیا گیا ہے۔الغرض یہ دیگر سفرناموں کے مقابلے میں زیادہ دلچسپ،معلوماتی،سبق آموز اور طوالت لیے ہوئے ہے۔

''سلطان محمد فاتح کے شہر میں'' یہ سفرنامہ استنبول اور ترکی کے سفروں پر مشتمل ہے جو رجب ۱۴۰۶ھ/مارچ ۱۹۸۶ء میں کیے گئے تھے۔کتاب میں شامل تمام سفرناموں کا آغاز اشعار سے کیا گیا ہے۔اِس سفرنامے کے آغاز میں علامہ محمد اقبال کی نظم ''بلادِ اسلامیہ'' مشمولہ بانگِ درا کا بند دیا ہے۔جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے:

خطّۂ قسطنطنیہ یعنی قیصر کا دیار

مسلمانوں کی سیاسی اور ثقافتی تاریخ میں ترکی کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ترک اور ترکی کے حوالے سے سفرنگار کی چند سطور ملاحظہ کیجیے:

> ترکوں کی شجاعت کی داستانیں ہماری تاریخ کا وہ سنہرا باب ہیں،جن پر ہر مسلمان بجا طور پر فخر کرسکتا ہے۔یہ علاقہ صدیوں تک پورے عالمِ سلام کا پایۂ تخت اور اسلامی تہذیب وتمدن کا مرکز رہا ہے،یہاں کے علما،فقہا اور اولیا وصوفیا نے آنے والوں کے

لیے اپنے نقوشِ زندگی کا بہت بڑا سرمایہ چھوڑا ہے۔ (۲۱)

یہ وہی ترکی ہے، جس نے آخری وقت میں بھی مسلمانوں کے لیے مرکزِ وحدت کا کام کیا۔اس سفرنامے میں ایتھنز، استنبول، سلطان محمد فاتح، تاریخی نوادر، باربروسا، جامع ابوایوب انصاریؓ برج غلاطہ، سلیمان اعم وغیرہ کی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔''آیا صوفیا'' کے ذکر میں عیسائیت میں فرقہ واریت پر روشنی ڈالی۔اس علاقے کے'' آرتھوڈوکس'' چرچ سے عیسائیوں کی جذباتی وابستگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آج بھی اس چرچ کا سربراہ اپنے نام کے ساتھ''سربراہ کلیسائے قسطنطنیہ'' لکھتا ہے۔

''دیارِ مغرب میں تین ہفتے'' یہ سفرنامہ تین ممالک کینیڈا، امریکا اور فرانس کے سفروں کی روداد ہے۔ یہ صفر ۱۴۰۹ھ /اکتوبر ۱۹۸۸ء میں کیے گئے تھے۔اس سفر کا محرک کینیڈا میں مقیم مسلمان ہیں۔جنھوں نے مفتی محمد تقی عثمانی کو وہاں مدعو کیا، اس دعوت کی قبولیت کے لیے انھوں نے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے خلیفہ مجاز ڈاکٹر محمد اسماعیل کا تعاون حاصل کیا۔اس سفر میں چوبیس گھنٹے پیرس میں قیام کیا گیا۔ جب کینیڈا کا تذکرہ آیا تو، اس کے بارے میں تحریر کیا کہ کینیڈا رقبے کے حوالے سے روس کے بعد دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس کا سب سے بڑا شہر ٹورنٹو ہے۔اسی شہر میں سب سے زیادہ مسلمان رہتے ہیں۔سفرنگار کی ایک تقریر کیمبرج شہر میں تھی۔ٹورنٹو کی سب سے بڑی مسجد''مسجد المدینہ'' ہے۔ یہاں بھی سفرنگار مفتی محمد تقی عثمانی نے نیک صحبت کے موضوع پر مفصل بیان کیا۔

ٹورنٹو سے سوا سو کلومیٹر پر دنیا کی مشہور ترین آبشار نیاگرا ہے، سفرنگار نے اس کے بارے میں بھی اہم معلومات فراہم کی ہیں۔ان ممالک کے مسائل، خصوصاً ٹریفک کا تذکرہ کئی بار آیا ہے۔اس کے مقابلے میں زیرِ زمین ٹرین کے سفر کو آرام دہ اور تیز بتایا گیا ہے۔ان کے علاوہ ٹورنٹو کے سائنس سینٹر، کینیڈا کے دوسرے بڑے شہر مانٹریال اور یہاں کی میکگل یونی ورسٹی اور ایک شہر کورن وال کے دینی مدرسے''معہدالرشید'' کے بارے میں بھی ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں۔امریکا کے شہر شکاگو کے دینی حلقے بھی اس سفرنامے کی زینت بنے ہیں۔سفرنگار کا آخری دن پیرس میں گزرا جو ٹورنٹو سے آدھے گھنٹے کی پروازی فاصلے پر تھا۔ یہاں کی رعنائیاں دنیا بھر میں مشہور ہیں۔مصنف نے اس کے حسن کی بڑے جامع انداز میں تعریف کی ہے۔دیکھیے:

> اس میں شک نہیں کہ یہ سرسبز وشاداب اور قدرتی اور تمدنی حسن سے مالا مال شہر ہے، اس کی عمارتوں میں قدامت اور جدت کا امتزاج پایا جاتا ہے نہایت مہنگا شہر ہونے کے باوجود اب بھی یہ سیاحت کا مرکز ہے۔ یہاں کا مرکزی علاقہ شانزالیزے دنیا کے حسین ترین بازاروں میں شمار ہوتا ہے جو اپنی وسعت، صفائی ستھری عمارتوں کی روایتی خوب صورتی اور دل کش دو رویہ درختوں کی دو رویہ قطاروں کے لحاظ سے واقعتاً ایک

منفرد علاقہ ہے۔(۲۲)

اس کے علاوہ ''ایفل ٹاور'' کا بھی ذکر ہے جو ۱۹۳۰ء تک دنیا کی سب سے بلند عمارت سمجھی جاتی تھی۔ یہ ''انقلابِ فرانس'' کی یادگار کے طور پر بنایا گیا تھا۔ مذکورہ سفرناموں میں جہاں ۲۰ ممالک کے بارے میں اہم معلومات فراہم کی گئی ہے، وہاں ان کے اہم سماجی، مذہبی اور ثقافتی پہلوؤں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اسلامی ملک ہو یا غیر اسلامی، اِن سب کی خوبیوں یا خامیوں کے بیان میں تعصّب یا جانب داری نہیں برتی، البتہ اسلامی جذبے سے سرشاری میں غیر اسلامی ممالک کی خوبیوں میں اختصار اور خامیوں میں طوالت محسوس ہوتی ہے۔ اسلامی ممالک کے اسفار میں سنہرے ماضی کو یاد کیا گیا ہے۔ تبلیغی اور اصلاحی پہلو کو ترجیحاً پیش کیا گیا۔

سفر نامے کا اندازِ تحریر بہت دل چسپ اور عام فہم ہے۔ شہروں اور علاقوں کے ناموں کے حوالے سے مختصر اور جامع بحثیں ملتی ہیں۔ ان سفر ناموں میں ایک خاصیت یہ ہے کہ اس میں اسلامی شعور دینے کی غیر محسوس طور پر ترغیب دی گئی ہے۔ عمدہ ادب کی ایک شناخت یہ ہوتی ہے کہ اس میں زیریں لہر ایک اصلاحی پیغام دیا جارہا ہوتا ہے۔ ان سفر ناموں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اس میں بیش تر مواقع پر دل چسپی کا عنصر برقرار رہتا ہے۔ ایک وجہ اس کا اندازِ بیان ہے۔ جس میں وقتِ ضرورت علامہ اقبال کے اشعار پیش کیے گئے ہیں۔ ہر سفر نامے کے آغاز میں ایک عمدہ اردو شعر درج کیا ہے۔ کتاب کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

کس کا خیال کون سی منزل نظر میں ہے؟
صدیاں گزر گئیں کہ زمانہ سفر میں ہے!

اسلوب کی مثال ملاحظہ کیجیے: اتباعِ سنّت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اس کے برعکس ہمارا حال یہ ہے کہ اگرچہ زبانی طور پر ہمارا ایمان یہی ہے کہ آن حضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ روے زمین پر سب سے بہتر سیرت ہے، لیکن عملاً ہم نے آپؐ کی سنّتوں میں یہ فرق شروع کر دیا ہے کہ جو سنت طبیعت کے موافق ہو، اُسے تو اختیار کر لیتے ہیں، لیکن ان سنتوں پر عمل کرنے کے لیے طبیعت آمادہ نہ ہو انھیں کبھی یہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ تو آپ ﷺ کی سنت عادیہ ہے، جس کا اتباع ہم پر واجب نہیں، گویا معاذ اللہ ہمیں آپ ﷺ کی عادت سے بہتر کوئی عادت مل گئی ہے، جسے ہم نے اختیار کرلیا ہے اور کبھی ترکِ سنّت کے لیے یہ بہانہ بنا دیتے ہیں کہ فلاں سنت ہمارے موجودہ حالات سے مصلحت کے مطابق نہیں ہے اور کبھی یہ تاویل کر لیتے ہیں کہ یہ سنت آپؐ کے عہد میں تو مشروع تھی، لیکن ہمارے زمانے میں

مشروع نہیں ہے۔ (۲۳)

مفتی محمد تقی عثمانی کے سفرنامے ''جہانِ دیدہ'' کی اشاعت جدید مکتبہ معارف القرآن کراچی کے تحت ۲۰۱۱ء میں ہوئی۔ پیشِ لفظ ۱۵ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ کا تحریر کردہ ہے۔اس کا عیسوی سن اگست ۱۹۸۹ء بنتا ہے،جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۹ء میں شائع ہُوا ہوگا۔

مشائخ نے اپنے مریدین کے ساتھ جو تبلیغِ دین کے لیے اسفار کیے ہیں،بعض کی رودادِ سفر، مشائخ کی بجائے اُن کے ہم سفر معتقدین نے بیان کی ہیں۔شاہ حکیم محمد اختر کے سفرنامہ رنگون میں بھی یہی صورت رہی ہے۔آپ کے مرید خاص مولانا جلیل احمد اخون آپ کے ہم راہ تھے۔جنھوں نے تبلیغِ دین اور خانقاہی نظام کے فروغ کے لیے اِس سفرنامے کو مرتب کیا۔لکھتے ہیں:

> اہل اللہ کے اسفار مرتب کرنے کا طریقہ رہا ہے تاکہ جس طرح خلقِ خدا ان کے حضر سے فیض اُٹھاتی ہے، اسی طرح ان کے سفر سے بھی استفادہ کرے۔اسی جذبے کے تحت... عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا سفرنامہ رنگون برما فروری ۹۸ء میں مرتب کیا گیا۔ (۲۴)

یہی نکتہ اس سفرنامے کا محرک ہے اور یہی پہلو اس سفر کا بنیادی سبب ہے،جس کا اظہار شاہ حکیم محمد اختر نے سفر کے آغاز میں یوں کیا۔

> خانقاہ کراچی میں حضرت شیخ مدظلہ [شاہ حکیم محمد اختر] نے داعئ سفر رنگون حاجی احمد رنگونی سے مزاحاً فرمایا، میں پہلی دفعہ رنگون جا رہا ہوں، اگر وہاں دین کا کام نہ ہُوا اور ہم بے کار بیٹھے رہے تو آپ کو روزانہ کا ایک کروڑ روپے جرمانہ دینا پڑے گا۔ (۲۵)

اس کے علاوہ اس سفر کی ایک وجہ حکیم صاحب کی حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ سے عقیدت ہے کیوں کہ تھانوی صاحبؒ نے رنگون کا سفر کیا تھا، آپ بھی اُن مقامات کا دیدار کرنا چاہتے تھے، جہاں تھانوی صاحبؒ نے قدم رنجہ فرمایا تھا۔جب:

> حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ رنگون میں بڑے بڑے علما تشریف لاچکے ہیں۔ حضرت تھانوی صاحب کے علاوہ حضرت مولانا اسعد اللہ مظاہری... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے بزرگ تشریف لاچکے ہیں، اس پر حضرت شیخ [شاہ حکیم محمد اختر] نے فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کی آمد کی وجہ سے مجھے بھی عرصے سے رنگون آنے کا شوق تھا۔ (۲۶)

آپ نے تھانوی صاحبؒ سے اپنی عقیدت کا اظہار بھی کیا ہے۔ (۲۷) یہ سفرنامہ سفر کی روئیداد اور رنگون کے بارے

میں بہت ہی کم معلومات فراہم کرتا ہے۔ یہ ایک طرح کے ملفوظات ہیں جو رنگون میں قیام کے دوران مختلف اوقات میں مسجد سورتی میں مجلسوں میں دیے گئے، کیوں کہ اس سفر اور سفر نامہ کا مقصد ترویجِ دین ہے۔ اس لیے سفر کی روداد جہاں آئی ہے۔ اُس میں بھی اصلاح کا پہلو غالب ہے۔ دیکھیے:

> ۱۴/ فروری ۱۹۹۸ء بروز ہفتہ رات پونے دس بجے رفقا سے [رخصت ہوکر] ائیر پورٹ کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ تقریباً پون گھنٹے کے بعد ائیر پورٹ تشریف لائے، صاحب زادہ حضرت مولانا حکیم محمد مظہر میاں صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ دیگر بہت سے احباب الوداع کہنے کے لیے تشریف لائے۔ جہاز کی روانگی کا وقت تقریباً رات ۵۵:۱۲ بجے پر تھا، جب جہاز پر چڑھنے کا اعلان ہوا تو سواریوں کی لمبی قطار لگ گئی جس میں مردوں، عورتوں کی اکثریت فاسقانہ شکل وصورت اور فرنگیانہ لباس میں ملبوس تھی تو حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ نے اس موقعے پر ہم سے فرمایا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
>
> يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ
>
> (سورہ روم ۳۰، آیت ۷، پ ۲۱)
>
> کہ یہ لوگ دنیا کی ظاہری زندگی کے بارے میں جانتے ہیں اور آخرت کی زندگی سے غافل ہیں... عیش وعشرت کے دل دادہ ہیں اور وطنِ اصلی سے بالکل غافل ہیں۔[۲۸]

رنگون کی مسجدوں کے انتظام کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ جوتیاں رکھنے کے لیے ایک کاؤنٹر پر نمازی جوتی جمع کراتا ہے۔ جس کا کوئی معاوضہ وصول نہیں کیا جاتا مذکورہ معلومات سے پتا چلتا ہے کہ رنگون کا مذہبی حلقہ سماجی شعور رکھتا ہے۔ یہ نظام ہمارے خانقاہی نظام میں مزاروں پر موجود ہے مگر فرق اس قدر ہے، کہ اس کی اجرت لی جاتی ہے۔ ایک اور موقع پر برما کے مذہب کی معلومات دی ہے کہ برما کا سرکاری مذہب بدھ ہے، اکثریت بھی اسی مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ رنگون میں سب سے بڑا عبادت خانہ ہے، جو لوگ مذہب کے نام پر خود کو وقف کر دیتے ہیں، کلیجی رنگ کی ایک چادر اوپر پہنتے اور ایک نیچے باندھتے ہیں، سر منڈوا کر، ننگے پاؤں ہاتھ میں کشکول لے کر گھر گھر مانگتے ہیں، اسی طرح خواتین گلابی لباس سر منڈوا کر مانگتی ہیں۔ مانگنا عبادت سمجھا جاتا ہے۔ اس موقع پر شاہ حکیم محمد اختر فرماتے ہیں: ''دیکھو مذہب کے نام پر شیطان نے ان کو کیسا دھوکا دیا ہے، اسلام نے جس کے نان نفقہ کی ذمے داری والدین اور شوہر کو دی ہے، یہاں در بدر پھر رہی ہے۔''[۲۹] اس موقع پر یہ شعر بھی پڑھا:

حسن اس کا ہر طرح سالم رہا
سر منڈانے پر بھی وہ ظالم رہا

اسی طرح ایک اور موقع پر فی البدیہہ یہ شعر کہا:

دل چاہتا ہے حسن کو میں جھوم کے چوموں
پر خوفِ خدا سے نہیں چوموں گا میں ہرگز (۳۰)

اشعار کا ذوق حکیم صاحب کے اسلوب کی خاصیت ہے۔یہی وصف اُن کے عقیدت مندوں کی تحریروں میں بھی نظر آتا ہے۔زیرِ بحث کتاب میں بھی موقع کی مناسبت سے اشعار دیے گئے ہیں۔(۳۱) جہاں جہاں فارسی اشعار قلم بند کیے ہیں، وہاں اُن کا اردو ترجمہ بھی دیا ہے۔(۳۲) کئی مقامات پر عربی عبارت دی ہے مگر اُس کا اردو ترجمہ نہیں دیا گیا۔

اصلاح اِس سفر کا مقصد خاص ہے۔اس لیے پورے سفرنامے میں اصلاحی رنگ موجود ہے۔باریک اور دقیق نکتوں کو بھی عام فہم مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت، نام کی عظمت اور لذّت کو الفاظ ولغت بیان کرنے سے قاصر ہیں،مگر دل اس لذّت سے آشنا ہوسکتا ہے،اس کی مثال میں لکھتے ہیں کہ ''جیسے کسی دیہاتی نے کبھی شامی کباب نہ کھایا ہو،اُس کے منہ میں کوئی کباب رکھ دے تو کباب کی لذّت کو پا جائے گا اگرچہ بیان نہ کرسکے۔''(۳۳)

مغربی تہذیب اور ثقافت کے مضر اثرات کو بیان کرتے ہوئے، اپنے شیخ حضرت شاہ ابرار الحق کے والد محمود الحق کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کے پانچ صاحب زادے تھے،چار انگریزی پڑھے ہوئے تھے اور ایک شیخ تھے، جب انگریزی پڑھے ہوئے بیٹوں کو پانی کا کہا جاتا،تو وہ نوکروں سے کہہ دیتے، جب کہ شاہ ابرارالحق سے کہا جاتا،تو آپ خود پانی لاکر پیش کرتے۔(۳۴)

ایک اور موقع پر فرمایا: ان لوگوں کے ہاں بوڑھوں کی کوئی اہمیت نہیں۔یہ لوگ اپنے ماں باپ کو اولڈ ہاؤس چھوڑ آتے ہیں اور پھر ان کی خبر نہیں لیتے اور وہ سسک سسک کر مرجاتے ہیں۔(۳۵) سمندر کے حوالے سے فرمایا کہ سمندر میں اللہ تعالیٰ نے ۵۰ فی صد نمک ڈال دیا ہے۔تاکہ نمک سے پانی سڑ نہ جائے، اس میں تسمم،انفیکشن اور زہریلا مادہ نہ پیدا ہوجائے اور مچھلیاں زندہ رہیں،اگر یہ نمک نہ ہوتا تو پانی زہریلا اور سڑ جاتا نہ صرف مچھلیاں مرتیں بلکہ قرب کے شہر بھی ختم ہوجاتے۔(۳۶)
شاہ حکیم محمد اختر کے ''سفر نامہ رنگون'' کی اشاعت سوم، مکتبہ حکیم الامت بہاول نگر نے ۲۰۰۶ء میں کی،اس کے مرتب،مولانا جلیل احمد اخون ہیں۔سفر نامہ رنگون برما فروری ۱۹۹۸ء میں مرتب کیا گیا تھا۔

خواجہ شمس الدین عظیمی کا سفرنامہ ''چشمِ ما روشن۔دلِ ماشاد'' بلوچستان کے سفر کی روداد ہے۔جس کے راوی ڈاکٹر محمد طارق ہیں۔یہ نو (۹) روزہ سفر ہے۔جس میں خواجہ شمس الدین عظیمی کے شب وروز کے معمولات کو قلم بند کیا گیا ہے۔سندھ کے خانقاہی ادب میں چند ایک سفرنامے ایسے بھی ہیں،جن کے راوی مریدین ہیں۔اِن مریدین نے اپنے شیخ کے سفری حالات کو زیبِ قرطاس کیا ہے اور اِن سفرناموں کو اپنے شیخ کے نام ہی سے شائع کیا۔وجہ اس کی یہ ہے کہ اس میں بیش تر گفتگو ان مشائخ ہی کی ہے۔جن کی وجہ سے وہ سفر اس قابل ہوا کہ زینتِ قرطاس بن سکے۔ان سفرناموں میں سید شاہ محمد ذوقیؒ کا

سفرنامہ ''حج ذوقیؒ'' اور حکیم شاہ محمد اختر کا ''سفرنامہ رنگون اور ڈھاکا'' قابلِ ذکر ہیں۔ان سفرناموں کے ذریعے سفرنگاروں نے اپنے مرشد کے افکار اور تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے کی سعادت حاصل کی ہے۔اس وجہ سے ان سفرناموں کی افادیت مسلّم ہے۔

سفرنامہ ''چشمِ ما روشن۔دلِ ماشاد'' کا بنیادی محرک تو روحانی پیغام کو لوگوں تک پہنچانا ہے،جس کے لیے خواجہ شمس الدین عظیمی نے یہ سفر کیا۔اس سفرنگاری کا دوسرا محرک سفرنگار کا اپنے مراد سے عقیدت کا اظہار ہے۔تیسری اہم بات یہ ہے کہ اس سفرنامے میں،جن تربیتی نشستوں کے احوال قلم بند کیے گئے ہیں، وہ روحانی طالب علموں کے لیے ایسا سرمایا ہے،جنھیں جان کر اور اس پر عمل کر کے وہ اپنی فکری اور روحانی ترقی کر سکتے ہیں۔

زیرِ بحث سفرنامہ بھی اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے،مگر اس میں دیگر سفرناموں کے مقابلے میں زیادہ خاصیتیں سفرنگاری کی پائی جاتی ہیں۔ایک تو یہ کہ اس میں دورانِ سفر پیش آنے والے خوب صورت مناظر کی دل کش منظرنگاری کی گئی ہے،جس سے علاقے کا حُسن آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ایک اچھے سفرنامے کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ اس میں علاقے کے معائب اور محاسن کے ساتھ وہاں کے حسن کو ضرور پیش کیا جائے۔جھلکیاں ملاحظہ کیجیے:

> کوئٹہ ایئرپورٹ سے روانہ ہوئے تو وادیٔ کوئٹہ کے پہاڑوں کے سماں نے نشیب سے ابھرتے ہوئے سدا بہار کے دو رویہ درخت مہمانانِ گرامی کو خوش آمدید کہے اور استقبال کرتے نظر آئے،کھلی ہوا اور شفاف فضا میں آج بالخصوص یہ منظر بڑا دل فریب تھا۔ہر شے ہنستی اور مسکراتی نظر آرہی تھی...
>
> جھیل کی سیر کے لیے ''رافٹ'' کا انتظام کیا گیا تھا،یہ وسیع پلیٹ فارم یا بجرہ آہنی پُلوں کو جوڑ کر بنایا گیا ہے۔مرکزی پارک میں سدا بہار کے سرسبز درخت کنارے تک لگے ہوئے ہیں جو جھیل کے درمیان سے نہایت خوش گوار منظر پیش کر رہے تھے۔سرمئی اور مٹیالے پہاڑوں سے چھلکتی ڈوبتے ہوئے سورج کی سنہری روشنی،سبزی مائل نیلگوں ہنہ جھیل کے پانی میں منعکس ہو رہی تھی،اس منظر سے سب مسحور ہو گئے تھے۔ پہاڑوں،درختوں اور اس خواب ناک منظر کا عکس جھیل کے پانی میں رقصاں تھا۔(۳۷)

جس طرح سفرناموں میں شہرِ سفر کے بارے میں معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔''چشمِ ما روشن۔دلِ ماشاد'' میں بھی کوئٹہ شہر کے بارے میں ضروری اور بنیادی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔جیسے محمد طارق نے لکھا ہے کہ کوئٹہ پشتو زبان کے لفظ ''کوٹہ'' سے بنا ہے،جس کے معنی قلعہ کے ہیں،کیوں کہ یہ شہر ابتدا میں مٹّی کے قلعے پر مشتمل تھا،اس کے علاوہ کوئٹہ کا ایک نام شال کوٹ بھی تھا۔یہ شہر سطحِ سمند سے ۵۵۰۰ فٹ بلندی پر ہے۔۱۹۰۰ء میں اس کی آبادی ۴۵ ہزار تھی،جب کہ موجودہ صورت حال میں افغان مہاجرین کو شامل کر کے اس کی آبادی ۱۲ لاکھ سے زیادہ ہے۔۱۹۳۵ء کے زلزلے میں یہ شہر تباہ ہو گیا

تھا وغیرہ۔[۳۸]

سفرنامے میں روحانیت کے بارے میں اہم اور بنیادی نکات بیان کیے گئے ہیں۔اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ سفرنامے کے علاوہ بھی کچھ تحریریں کتاب میں شامل ہیں،ان میں خواجہ شمس الدین عظیمی،محمد طارق اور محمد نواب خان عظیمی کی فکر انگیز تحریریں شامل ہیں جو تصوّف سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے اہمیت کی حامل ہیں۔سفرنامے میں تصوّف کے کئی علمی پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے،جیسے ایک موقع پر''سلسلہ'' کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے خواجہ صاحب نے فرمایا کہ سلسلہ ایک راستا ہے،جس میں تسلسل ہو۔جس طرح حضور ﷺ کی تعلیمات دیگر انبیا کی تعلیمات کا تسلسل ہیں۔اسی طرح اولیائے کرام کی تعلیمات آپؐ کی تعلیمات کا تسلسل ہیں۔[۳۹] زیرِ بحث سفرنامے میں کئی مقامات پر انسانی زندگی کے کئی پہلو بیان کیے ہیں۔ایک جگہ لکھا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔اسے ایسی طرزِ فکر اپنانی چاہیے کہ خود بھی پُرسکون رہے اور دوسروں کے لیے بھی سکون کا باعث بنے۔[۴۰] اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ ہمیں قرآن میں تفکر کرنا چاہیے۔جب کہ ہم صبح اُٹھ کر قرآن کی بجائے اخبارات کا مطالعہ کرتے ہیں۔[۴۱] اس سفرنامے میں جتنی نشستیں منعقد ہوئیں،ان کی تفصیل بھی خوب صورتی کے ساتھ تحریر کر دی گئی ہیں۔

اس سفر میں جو ۱۳ مئی ۱۹۹۸ء سے شروع ہوکر ۱۲ مئی ۱۹۹۸ء کو اختتام پذیر ہُوا۔کئی تربیتی نشستیں اور دیگر مجالس ہوئیں۔ان میں تصوّف کے بہت سے موضوعات پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ان کے علاوہ کچھ تحریریں علاحدہ سے بھی کتاب کے آغاز میں شامل کی گئی ہیں۔ان کے عنوانات میں آگہی،علم،فطرت،مرشدِ کامل،روحانی مشن،سلسلہ کیا ہوتا ہے؟،سیرتِ طیبہ ﷺ،اللہ کی طرزِ فکر،تفکرِ قرآن،صلوٰۃ قائم کرنا،اسلام اور اخلاقِ حسنہ،تسخیرِ کائنات،دورِ جدید میں علمِ روحانیت کی اہمیت،روحانی علوم اور خواتین،کیا مشاہدہ ممکن ہے؟،مراقبہ،تفکر اور روح شامل ہیں۔

سفرنامہ''چشمِ ماروشن۔دلِ ماشاد'' کی زبان وبیان میں ایک ادبی چاشنی محسوس ہوتی ہے،اس کا اندازِ تحریر شگفتہ اور دل کش ہے۔عموماً قاری کے لیے علمِ تصوّف کے بارے میں تحریریں کشش کا باعث نہیں ہوتیں مگر اس سفرنامے میں عام فہم اندازِ بیان اور روانیٔ بیان نے اسلوب میں چار چاند لگا دیے ہیں۔تصوّف کے نکات کو سائنسی اور روز مرّہ کی مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔استدلالی اندازِ بیان جو عظیمی صاحب اور سلسلہ عظیمیہ کا خاص انداز ہے۔اس سفرنامے میں بھی اس کی جھلکیاں جا بجا نظر آتی ہیں۔اسلوب ملاحظہ کیجیے:

> بہار...دراصل قدرت کے زندہ ہونے اور کائنات کو قائم رکھنے کی نوید ہے کہ قدرت ابھی نظامِ فطرت قائم رکھنا چاہتی ہے،جس کے تحت سوکھے تنوں اور مرجھائے درختوں میں دوبارہ زندگی دوڑ جاتی ہے۔مرشد کی ذات بھی ایسا ہی کردار ادا کرتی ہے،جب مُردہ دلوں کو دوبارہ ان کی اصل کی طرف راغب کیا جاتا ہے اور ان لوگوں کو نویدِ حیات

ملتی ہے، جو حقیقت سے دور ہو کر مرجھا گئے ہوتے ہیں۔[۴۲]

''چشمِ ما روشن۔دلِ ماشاد'' کو پہلی مرتبہ مراقبہ ہال کوئٹہ نے جنوری ۲۰۰۰ء میں شائع کیا۔جب کہ اس کی تکمیل دسمبر ۱۹۹۹ء میں ہوئی تھی۔[۴۳]

مفتی محمد تقی عثمانی کی زندگی میں سفر کی بڑی اہمیت رہی ہے۔سفر کرنے کا حکم قرآن میں بھی ہے۔وجہ یہ ہے کہ اہلِ دانش کے لیے اس میں نشانیاں اور حکمت ہے۔بشرطے کہ یہ سفر دیدۂ بینا اور فکر سلیم کے ساتھ کیا جائے۔مفتی محمد تقی عثمانی کے سفرناموں میں یہ خوبیاں نظر آتی ہیں۔''دنیا میرے آگے'' ان کے مختلف سفرناموں کا مجموعہ ہے،اس سے قبل ''جہانِ دیدہ'' کے نام سے ایک سفرناموں کا مجموعہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔دونوں سفرناموں میں ایک فکر اور ایک نظریہ کارفرما ہے۔یعنی مسلمانوں کی ترقی اور اسلام کی ترویج کا جذبہ دونوں سفرناموں کی روح ہے۔

یہ سفر اپریل ۱۹۹۰ء سے اکتوبر ۲۰۰۲ء تک کیے گئے ہیں۔یہ ۱۴ سفرنامے ہیں۔جنھیں یک جا کر کے شائع کیا گیا ہے۔ان سفرناموں کو تاریخی اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔سوائے ہارڈورڈ یونی ورسٹی کا ایک سفر یا ملائشیا میں چند روز کا سال نہیں دیا گیا۔جب کہ سفرنامہ ''جہانِ دیدہ'' کو مسلم اور غیر مسلم ممالک کے اعتبار سے مرتب کیا گیا تھا۔سفرنامے ''دنیا مرے آگے'' کی تفصیلات کچھ اس طرح ہے:

(۱) اندلس میں چند روز	اپریل ۱۹۹۰ء
(۲) سفرِ برونائی	اگست ۱۹۹۳ء
(۳) ترکی میں چند روز	اگست ۱۹۹۴ء
(۴) مغرب میں دو ہفتے	فروری ۱۹۹۵ء
(۵) ری یونین کے جزیرے میں	۱۲/فروری ۱۹۹۵ء
(۶) جنوبی افریقہ میں	۱۹/فروری ۱۹۹۵ء
(۷) سلطان محمد فاتح کے شہر میں	۲۰/اگست ۱۹۹۵ء
(۸) آسٹریلیا میں چند روز	جون ۲۰۰۰ء
(۹) ملائشیا میں چند روز	دسمبر ۱۹۹۷ء
(۱۰) ہارورڈ یونی ورسٹی کا ایک سفر	دسمبر ۱۹۹۷ء
(۱۱) ایک ہفتہ آئرلینڈ اور آکسفورڈ میں	اکتوبر ۲۰۰۰ء
(۱۲) صنعا یمن کا ایک سفر	جولائی ۲۰۰۱ء
(۱۳) آدھی رات کا سورج	ستمبر ۲۰۰۱ء

(۱۴) جرمنی اور اٹلی کا سفر ۲۸/اکتوبر ۲۰۰۲ء

پہلا سفر نامہ ''اندلس میں چند روز'' اپریل ۱۹۹۰ء کے سفر کا نتیجہ ہے۔ اِس کا محرک سفر نگار کا جذبۂ مسلمانی ہے۔ وہ اس ملک کو دیکھنے کے خواہش مند تھے، جس میں مسلمانوں کی آٹھ سو سال درخشاں تاریخ کے اوراقِ گم گشتہ موجود ہیں۔ سفر کی تفصیلات کے ساتھ، سفر نگار نے اپنے خیال وفکر کے سفر کو بھی زیبِ قرطاس کر دیا ہے۔ ''مالقہ'' جو مسلم دور میں بھی اندلس کی ایک بندرگاہ تھی۔ یہاں کے ائیر پورٹ پر جب ظہر کی نماز ادا کی گئی تو خیال وفکر، یوں گویا ہوا'' یہ وہ سرزمین ہے، جہاں کا چپّہ چپّہ آٹھ سو سال تک تکبیر کی صداؤں سے گونجتا رہا۔ جہاں کا شاید کوئی قطعۂ زمین ایسا ہو، جس میں مسلمانوں کے سجدوں کے نشان ثبت نہ ہوئے ہوں، لیکن آج یہاں کوئی قبلے کا صحیح رخ بتانے والا بھی موجود نہ تھا۔''(۴۴) اسی طرح سفر نگار جس ملک کا بھی سفر کرتے ہیں، وہاں کے بارے میں تاریخی، اہم اور بنیادی معلومات ضرور فراہم کرتے ہیں۔ جیسے اندلس کے بارے میں لکھا کہ اسے ہسپانیہ اور اسپین بھی کہا جاتا ہے۔ یورپ کے جنوب مغربی حصّے میں ہے۔ سرحدیں شمال میں فرانس اور مغرب میں پرتگال سے ملتی ہیں، مشرق اور جنوب میں'' بحر متوسط'' بہتا ہے۔ جسے بحرِ روم بھی کہا جاتا ہے۔ یہی نہیں حاشیے میں اندلس اور ہسپانیہ نام کی توجیہ بھی بیان کردی ہے کہ طوفان نوح کے بعد یہاں ''اندلش'' نامی قوم آباد ہوئی۔ عربوں نے شین کو سین میں بدل کر اسے اندلس کردیا۔ رومی بادشاہ ''اشبان'' نے اشبیلیہ شہر بسایا جسے اشبانیہ کہا جانے لگا جو بگڑ کر ہسپانیہ اور اسپین ہوگیا۔(۴۵) اسی طرح زبان دانی کے بارے میں اظہارِ خیال ملتا ہے، اس طرح دورانِ سفر بستیوں کے بارے لکھا ہے کہ ان کے ناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عربی ناموں کی بگڑی شکلیں ہیں، جیسے کاسابرمجہ (Casa Bermaja)'' کاسا'' عربی لفظ قصر کی بگڑی ہوئی شکل ہے، یعنی یہ قصرِ برمجہ ہوگا۔(۴۶) ایک شہر کا نام لوجا(Loja) تھا جو ''لوشہ'' اور البوجارہ روڈ (Alpojara road)'' الفجارہ کی بگڑی شکل ہے۔(۴۷) اسی طرح انھوں نے یہ خیال بھی پیش کیا کہ اسپین کے موجودہ ناموں میں جتنے بھی AL سے شروع ہوتے ہیں وہ عربی الاصل ہیں۔(۴۸) اسی طرح غرناطہ کے بارے میں لکھا کہ عربی میں انار کو کہتے ہیں۔(۴۹) وینس کو عربی زبان میں ''بندقیہ'' کہتے ہیں۔(۵۰) اسی طرح وینس میں چھوٹی کشتی کو ٹیکسی اور بڑی کو بس کہا جاتا ہے کیوں یہ شہر جزیرے پر ہے اور ایک جگہ سے دوسرے مقام کے لیے پانی ہی میں سفر کرنا پڑتا ہے۔(۵۱)

برونائی کا سفر اگست ۱۹۹۳ء کا ہے، جس کا سبب مجمع الفقہ الاسلامی (اسلامی فقہ اکیڈمی) ہے، جو نئے فقہی مسائل پر اجتماعی غور وفکر اور فقہ کے موضوع پر تحقیقی کام سرانجام دیتا ہے۔ یہ آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس (OIC) کے تحت ۱۹۸۳ء میں قائم کیا گیا۔ اس کا سالانہ اجلاس برونائی میں ہوا تو اس میں شرکت کی غرض سے یہ سفر اختیار کیا گیا۔ سفر کی مختصر تفصیلات کے بعد ملک کے بارے میں ضروری معلومات تحریر کی گئی ہیں۔ برونائی بحرِ چین کے کنارے ایک چھوٹا سا ملک ہے، جس کا مجموعی رقبہ کل ۵۷۶۵ کلومیٹر اور آبادی ڈھائی لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ ملائشیا کے جزیرۂ بورنیو کے شمال مغربی ساحل پر واقع ہے۔ اس کی سرحد سراواک (ملائشیا) سے ملتی ہے۔ ۷۰ فی صد سُنّی مسلمان اور ۳۰ فی صد چینی اور ہندوستانی غیر مسلم ہیں۔

سرکاری اور عوامی زبان ملایائی مگر انگریزی بھی کثرت سے بولی جاتی ہے۔[۵۲] سفرنامے میں برونائی کے بارے میں اور بھی اہم معلومات فراہم کی گئی ہیں، جیسے برونائی کے شاہی خاندان نفاذِ شریعت کے لیے مخلص ہیں، دارالخلافہ بندر سری باگادان سب سے بڑا شہر ہے وغیرہ۔[۵۳]

برونائی کے سماجی پہلوؤں کو بھی سفرنامے میں زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ وہاں کے ٹریفک کے حادثات اور قواعد، نیلامی کا طریقہ، کرنسی کے مسائل، طبّی مسائل، بیع العربون (بیعانہ، پیشگی رقم [Advance] اس شرط کے ساتھ دینا کہ اگر شے نہ خریدی جائے تو رقم ضبط ہوگی جو حنبلی مسلک میں جائز جب کہ حنفی، شافعی اور مالکی میں جائز نہیں ہے۔) وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ترکی کا سفر اگست ۱۹۹۴ء کا ہے، اس سے قبل مفتی محمد تقی عثمانی نے یہاں کے حالات ''جہانِ دیدہ'' میں بھی بیان کیے ہیں۔ استنبول کے بارے میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں، ان میں کچھ یہ ہیں؛ یہ دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے، اس کا ایک حصّہ یورپ اور ایک ایشیا میں ہے، تاریخی اعتبار سے روم اور ایتھنز کی طرح اہمیت کا حامل ہے۔ دنیا کے ان شہروں میں سے ہے، جس کے سب سے زیادہ نام رہے۔ قدیم ترین نام ''زارغراد، پھر میگلا غارد، یونانی اور رومی دور میں بیزنطہ، تیسری صدی عیسوی میں رومی بادشاہ قسطنطین نے اسے ''قسطنطنیہ'' جسے رومِ جدید بھی کہتے ہیں۔ بازنطینی اسے ہی پولس (He polis) کہتے ہیں، جس کے معنی شہر کے ہیں۔[۵۴] شاید اسی وجہ سے عربوں نے اس کا ترجمہ ''مدینۃ الروم'' کیا۔ مسلمانوں نے اسے ''استانبول'' جو بعد میں ''اسلامبول'' کیا مگر سرکاری نام ''قسطنطنیہ'' ہی رہا۔ خلافت عثمانیہ کے آخری دور میں اسے آستانہ دارالسعادۃ اور الباب العالی کے نام دیے گئے۔ خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے بعد یعنی ۱۹۳۰ء سے اسے سرکاری طور پر ''استنبول'' ہی کہا جاتا ہے۔[۵۵] سماجی اور سیاسی حوالے سے کمال اتاترک کے سیکولر نظام کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس نظام کے تحت اسلام اور شعائرِ اسلام کے خلاف جو اقدامات کیے گئے، ان کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

ان سفرناموں میں نظریاتی مباحث بھی موقع کی مناسبت سے پیش کیے گئے ہیں۔ ٹورنٹو میں جب سفر نگار کو ایک مجلس میں خطاب کا موقع ملا، جہاں مسلم اور غیر مسلم دونوں تھے تو وہاں مفتی تقی عثمانی نے سیکولرازم، سرمایہ دارانہ نظام اور اسلامی معاشی نظام پر گفتگو کی۔ اور یہ نقطہ نظر دیا کہ اسلام کی معاشی تعلیمات جدید دنیا کو ایک تیسرا راستا دیتی ہے جو افراط وتفریط سے خالی ہے۔[۵۶] مغرب میں اسلام کی تبلیغ و ترویج کے بارے میں مفصّل تجزیہ کیا گیا ہے کہ وہاں اسلام کس طرح پھیل رہا ہے۔ بالخصوص خواتین کے اسلام قبول کرنے کی وجوہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ سفر نگار نے میڈیا کے کردار کو نمایاں کرنے کے ساتھ یورپ اور امریکا کے موقر جریدوں کی رپورٹ کا بھی تجزیہ کیا ہے۔[۵۷]

فقہی معاملات بھی ''دنیا مرے آگے'' کے سفرناموں میں تحریر کیے گئے ہیں۔ خاص طور پر دنیا کے شمالی علاقوں میں، جہاں راتیں اور دن بہت طویل ہوجاتے ہیں، وہاں نماز کے اوقات کا تعین کیسے کیا جاسکتا ہے، اس سلسلے میں ایک صحیح مسلم کی حدیث بھی پیش کی ہے۔ دجال کے حوالے سے، جب ایک دن کی طوالت سال، مہینے، ہفتے کے برابر ہوگی، اس وقت

اندازے سے وقت مقرر کرنے کے احکامات ہیں۔اس کے لیے ایک طریقہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ قریب ترین معتدل علاقے سے اوقات کا تعین کیا جاسکتا ہے۔[۵۸] علمی معاملات بھی ان سفروں کا اہم حصہ ہیں۔ جہاں تعلیمی اداروں یا کتب خانوں کے مشاہدات کیے ہیں، وہاں سفرنگار نے ان کی خوبیوں کا برملا اظہار کیا ہے۔حق گوئی ان سفرناموں کی اہم خصوصیت ہے۔غیروں کی خوبیوں کا اعتراف واشگاف الفاظ میں کیا ہے۔اگرچہ اسلام اور مسلمانوں کے تذکرے میں جذبات کا عنصر شامل ہوجاتا ہے۔اسی طرح اپنوں اور غیروں کی خامیوں کی نشان دہی کا تذکرہ کرکے، ان کا تدارک بھی دیا ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی کے سفرناموں کا ایک خاص انداز ہے۔جس میں چند پہلو اہم ہیں۔اُس ملک یا شہر کے مناظر اور خاص عمارتوں کا ذکر، وہاں کے جغرافیائی صورت اور حدودِ اربعہ،لوگوں کے رہن سہن، حکومتی انداز، اسلام اور مسلمانوں کی صورتِ حال اور اس کا تجزیہ،شہر یا ملک کا تاریخی پس منظر،عوام اور حکومت کی خوبیاں اور خامیاں وغیرہ۔ان سفرناموں کی اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ حالات وشواہد سے مسلمانوں میں بیداری کا درس بھی سفرناموں میں خاموشی کے ساتھ سفر کرتا ہے۔

سفرنامے کا اندازِ تحریر وہی ہے جو''جہانِ دیدہ'' میں تھا یعنی حسب محل عربی، فارسی اور اردو اشعار پیش کیے گئے ہیں۔عربی اور فارسی اشعار کے اردو ترجمے بھی دیے گئے ہیں۔[۵۹] بیان رواں ہے،عربی یا فارسی مقولے اردو ترجمے کے ساتھ ہیں۔نثر کا نمونہ دیکھیے:

> پونے بارہ بجے کے قریب ہم نارتھ کیپ جا کے اُترے۔یہ ۷۱ درجے،۱۰ دقیقے اور ۲۱ ثانیے کے عرض بلد پر واقع ایک سطح مرتفع کا کنارہ ہے، جو بحر منجمد شمالی پر جھانکتا محسوس ہوتا ہے،اس کنارے پر شمال میں دنیا ختم ہوگئی ہے اور اس کے بعد قطب شمالی تک اس رخ پر کوئی خشکی نہیں ہے،ہم یہاں پہنچے تو دنیا بھر سے آئے ہوئے سیاحوں کا ایک ہجوم تھا، جو دنیا کے آخری سرے سے''آدھی رات کا سورج'' دیکھنے کے لیے یہاں جمع تھے۔سردی اس قدر شدید اور برفانی ہوائیں اتنی تیز تھیں کہ پہنے ہوئے تمام کپڑے ناکافی معلوم ہورہے تھے۔اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ گرمی کے موسم میں (جب مہینوں سے یہاں رات نہیں آئی اور افق پر سورج مسلسل موجود ہے۔) سردی کا یہ عالم ہے تو سردی کے موسم میں جب کہ مہینوں سورج کی شکل نظر نہیں آتی ،ٹھنڈک کا یہاں کیا عالم ہوگا۔[۶۰]

مفتی تقی عثمانی کا سفرنامہ''دنیا میرے آگے'' کی اشاعت جدید،مکتبہ معارف القرآن کراچی کے تحت ۲۰۱۱ء میں ہوئی۔اس کی پہلی اشاعت غالباً ۲۰۰۳ء میں ہوئی ہو،جس کا ذکر نہیں کیا گیا۔خانقاہی ادب میں شائع ہونے والی بیش تر کتب اس نوع کی معلومات سے عاری ہوتی ہیں،سفرنگار کے مزید سفرنامے منظر عام پر آنے والے ہیں،ان میں''سفر در سفر''،''البانیہ میں

چندروز'' اور'' اندلس میں چندروز'' شامل ہیں۔ان میں سے'' اندلس میں چندروز'' کتاب'' دنیا مرے آگے'' میں شامل ہے۔

سندھ کی خانقاہوں کے مشائخ اور ان کے مریدین نے جو سفرنامے قلم بند کیے ہیں۔ ان کا اہم مقصد تو مذہبی و صوفیانہ فکر کی تبلیغ ہے۔ان میں سفرناموں کی بیش تر صفات پائی جاتی ہیں۔ اس لیے یہ سفرنامے دل چسپی کے حامل ہیں۔ کیوں کہ ان سفرناموں کے لکھنے والے خانقاہوں سے وابستہ ہیں۔ اس لیے ان خانقاہی رنگ جابجا دکھائی دیتا ہے۔ یہ سفرنامے ایک طرف مختلف ممالک اور شہروں کے بارے جغرافیائی، سماجی، معاشی، سیاسی اور دیگر معلومات فراہم کرتے ہیں تو دوسری جانب وہاں اسلام اور مسلمانوں کی سماجی، معاشی اور اخلاقی صورتِ حال سے بھی آگاہی دیتے ہیں۔ان سفرناموں کا مطالعہ عام قارئین بالخصوص مذہبی اور خانقاہی ادب سے دلچسپی کے حامل افراد کے لیے مفید ہے۔

حواشی

(۱) ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء) طبع دوم، ص ۱۰۰

(۲) رفیع الدین ہاشمی، اصنافِ ادب، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۸۸

(۳) ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، محولہ بالا، ص ۱۰۰

(۴) سید شاہ محمد ذوقی، حجِ ذوقی (کراچی: محفلِ ذوقیہ، ۱۹۹۳ء)، اشاعت دوم، ص ۲۳

(۵) ایضاً، ص ۲۶

(۶) ایضاً، ص ۲۷

(۷) ایضاً، ص ۵۸

(۸) ایضاً، ص ۱۶

(۹) ایضاً، ص ۱۸

(۱۰) ایضاً، ص ۲۰، ۲۱

(۱۱) محمد تقی عثمانی، جہانِ دیدہ، (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۱۱ء)، اشاعتِ جدید، پیش لفظ کا دوسرا صفحہ، نمبر ندارد

(۱۲) ایضاً، پیش لفظ کا پہلا صفحہ، نمبر ندارد

(۱۳) ایضاً، ص ۴۷۶، ۴۷۷

(۱۴) ایضاً، ص ۴۰۶

(۱۵) ایضاً، ص ۳۸۸

(۱۶) ایضاً، ص ۵۴۱

(۱۷) ایضاً، ص ۱۵

(۱۸) ایضاً، ص ۱۶۸

(۱۹) ایضاً،ص ۱۷۵
(۲۰) ایضاً،ص ۲۱۰
(۲۱) ایضاً،ص ۳۱۳
(۲۲) ایضاً،ص ۶۰۶
(۲۳) ایضاً،ص ۴۰۴
(۲۴) حکیم محمد اختر، سفرنامہ رنگون، (بہاول نگر: مکتبہ حکیم الامت، ۲۰۰۶ء)، اشاعت سوم، ص ۲۹
(۲۵) ایضاً،ص ۶۲
(۲۶) ایضاً،ص ۷۸
(۲۷) ایضاً،ص ۶۶، ۶۷
(۲۸) ایضاً،ص ۶۲، ۶۳
(۲۹) ایضاً، ۹۷، ۹۸
(۳۰) ایضاً،ص ۸۴
(۳۱) ایضاً،ص ۴۲، ۸۲، ۹۲، ۹۳، ۹۷، ۲۵۶، ۲۵۷ وغیرہ
(۳۲) ایضاً،ص ۴۵، ۸۲ وغیرہ
(۳۳) ایضاً،ص ۹۳
(۳۴) ایضاً،ص ۷۸
(۳۵) ایضاً،ص ۶۴
(۳۶) ایضاً،ص ۸۸
(۳۷) عظیمی، خواجہ شمس الدین، چشمِ ماروشن۔دلِ ماشاد، (کوئٹہ: مراقبہ ہال، ۲۰۰۰ء)، ص ۶۸، ۶۹
(۳۸) ایضاً،ص ۷۰، ۷۱
(۳۹) ایضاً،ص ۷۶
(۴۰) ایضاً،ص ۱۰۰
(۴۱) ایضاً،ص ۱۰۲
(۴۲) ایضاً،ص ۱۳۸
(۴۳) ایضاً،ص ۶۴
(۴۴) محمد تقی عثمانی، دنیا مرے آگے، (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۱۱ء)، اشاعتِ جدید، ص ۱۵
(۴۵) ایضاً،ص ۱۶
(۴۶) ایضاً،ص ۲۳
(۴۷) ایضاً،ص ۲۴، ۲۵
(۴۸) ایضاً،ص ۲۵
(۴۹) ایضاً،ص ۲۶

(۵۰) ایضاً،ص ۳۶۴

(۵۱) ایضاً،ص ۳۶۵

(۵۲) ایضاً،ص ٦۷

(۵۳) ایضاً،ص ٦۹

(۵۴) ایضاً،ص ۸۳

(۵۵) ایضاً،ص ۸۳، ۸۴

(۵٦) ایضاً،ص ۱۴۸، ۱۴۹

(۵۷) ایضاً،ص ۹۲ تا ۱۲۰

(۵۸) ایضاً،ص ۳۳۳

(۵۹) ایضاً،ص ۲۷، ۵۵، ۵٦

(٦۰) ایضاً،ص ۳۳۰، ۳۳۱

مآخذ

(۱) اختر،حکیم محمد، سفرنامہ رنگون، بہاول نگر: مکتبہ حکیم الامت، ۲۰۰٦ء، اشاعتِ سوم

(۲) ذوقی، سید شاہ محمد، حجِ ذوقی، کراچی: محفلِ ذوقیہ، ۱۹۹۳ء، اشاعتِ دوم

(۳) صدیقی، ابوالاعجاز حفیظ، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، طبع دوم

(۴) عثمانی، محمد تقی، دنیا مرے آگے، کراچی: مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۱۱ء، اشاعتِ جدید

(۵) عثمانی، محمد تقی، جہانِ دیدہ، کراچی: مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۱۱ء، اشاعتِ جدید

(٦) عظیمی، خواجہ شمس الدین، چشمِ ماروشن: دلِ ماشاد، کوئٹہ: مراقبہ ہال، ۲۰۰۰ء

(۷) ہاشمی، رفیع الدین، اصنافِ ادب، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء